URDU Gif Format

چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف
اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ

۱۳۰۷ھ

مصنف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

۱۲

اَلصّافیۃ المُوحِیَۃ لِحُکمِ جلود الاضحیّۃ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ما قولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ و شراء حصر المساجد و زیت قنادیلہ وغیرذٰلک من القربات التی لا تملیک فیہا، فہل ہو جائز، والصرف الی تلک الوجوہ سائغ ام لا، بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفہا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب الحمد للہ وبہ نستعین، والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، ما تقرب

"خلاصۂ الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کیلئے بیچا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت، مسجد کیلئے چٹائی، روشنی وغیرہ کار ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا پیسا ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بیّنوا توجروا۔

جواب اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں، درود وسلام سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الى الله تعالٰی بالقرابین، نعم اذا باعه بالدراهم لا لمال یتمول، او ربح یتحصل، بل لیصرفه الٰی وجوه القرب ومرضات الرب، جاز له ذٰلك وان لم یوجد تملیك هنالك، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحة ولو لغنی۔

والمعنی المانع فی البیع انما هو التصرف علی قصد التمول کما نص علیه الائمة الاعلام۔ قال فی الهدایة لایشتری به ما لاینتفع به الا باستهلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراهم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1] اھ وفی مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر لا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله والمعنی انه لایتصرف علی قصد التمول[2] اھ ومثله فی البنایة شرح الهدایة للعلامة البدر وغیره من اساطین العلماء الغر،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں۔

قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو، بلکہ کارِ ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کارِ ثواب ہی ہے، فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

مسئلے کے جزئیات

"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کارِ ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا"۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے، "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲۱

وظاهر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجہ لمنعہ بل ھو قربۃ لکونہ فعل لاجل قربۃ ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الاتری الی ما قال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لوباعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونہ قربۃ ، وما نحن فیہ ایضا کذلک ، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث آخر ما یوجبہ عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ اقول والسرفی ذٰلک ما یستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ

وجہ التمول" ہے"۔

یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے ، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کارِ ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں ، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے ، بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی ، تو اس کو تو بدرجہ اولٰی جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں ، " اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے ، کیونکہ یہ کارِ ثواب ہے ، جیسے گوشت ہی صدقہ کردینا"۔

امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کارِ ثواب بتایا ، بیع مسئولہ بھی کارِ ثواب کے لئے ہی ہے ، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے ، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے ، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں ، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا ، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی۔

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

تعالیٰ فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیٔ منہ حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلک لانہ نوی اقامة القربة بجمیع اجزائھا فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوہ، بید انہ لما کان شیئا تقرب بہ الی المولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ، والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان، فقد خرج بذٰلک عن جھة التمول بحیث لاعود الیہ ابدا فاذا قصد بشیٔ منہ التمول فقد خالف واورث ذٰلک خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجہ خبیث فسبیلہ التصدق، اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققہ ولا تورث خبثا بل تزھقہ فمن این تحرم وتجب تصدقہ، قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء ما لاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جھة التمول فاذا تمولتہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے، اور یہ شرعاً منع ہے، اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے، اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، حد یہ ہے کہ اُون اور دُودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض حاصل ہوگئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کلاً یا بعضاً کسبِ زر کے لئے بیچنا، اس کو قرابت اور کارِ ثواب سے پھیر کر دنیا کی طرف موڑ دینا ہے، اور کارِ ثواب اور حصولِ زر میں منافات ہے، اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی، اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مالِ خبیث ہوگا اور مالِ خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے، اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی۔ اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا: "جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثاً فیجب التصدق[1] اھ و بہ تبین وان کان[عہ] بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والا لما جاز البیع بالدراھم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وھو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وھذا کلہ باطل بالبداھۃ

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے، تو جب اسے بیع کرکے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔"

سوال وجواب | یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے، یہ بھی بیع بطور تمول ہے، تو کارِ ثواب کے لئے بھی اسی طرح بیچنا بطور تمول ہوا، جس کو ناجائز ہونا چاہئے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع پر اسے تمول صادق آتا

عہ فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیأتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذ لافارق یقتضی بکون ھذا تمولا وذالك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللّٰه۔

چاہیے، اور اس کو حرام ہونا چاہیے، اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہیے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہیے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں تصدق اور طلبِ ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی پھر بھی امام علیؒ نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستہلک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له۔

ایک اور سوال وجواب اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔

قلت کذلك البیع للتقرب مثل التقرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القرآن العظیم فالحق فی التعلیل ما قدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة[1]، وحینئذ لابد من کلیة الکبری القائلة بان کل قربة تجوز ھٰھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز ھٰھنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا و للعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہیے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہیے، مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز، حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل علتِ جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۹/۶

تقریر آخر اشمل واظهر لبیان الفرق تظهر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالیٰ۔

کہ حصولِ زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے اور مقاصدِ خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا "لانہ قربۃ" (اس لئے کہ یہ کارِ ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغریٰ ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبریٰ کا کلیہ ہونا ضروری ہے جو اس طرح ہوگا "ہر قربت جائز ہے" تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کارِ ثواب کے لئے بیع جائز ہے، وللہ الحمد۔

فاقول وبالله التوفیق الجهات ثلث، الاکل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه کان. فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلهم من رجال الصحیحین ماخلا مسددا فثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشة الخیر الهذلی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انا کنا نهیناکم عن لحومها ان تاکلوها فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وائتجروا الا وان هذه الایام ایام اکل وشرب وذکر الله عزوجل[1] والائتجار باطلاقه یشمل التصدق وسائر وجوه التقرب کما لا یخفی فان فسره مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ما سیأتیک تحقیقه ان شاء الله تعالیٰ۔

ایک دوسری تقریر | شرعاً قربانی کے مصرف کی تین جہتیں ہیں، اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کارِ ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کارِ ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالےٰ نے کشادگی فرمادی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کارِ ثواب میں صرف کرو۔ سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں"۔ تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کارِ ثواب کیلئے بیچنا جائز ہوا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرهم عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثة۔

قلت کلا فان الامر ههنا لیس للوجوب باجماع عامة علماء الامة، منهم ساداتنا الائمة الاربعة رضی الله تعالٰی عنهم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکله کله ولم یتصدق بشیئ منه لاشیئ علیه ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینافی الترغیب والترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولاداعی الیه۔

وسر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیه الا لضرورة وهو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بهما اما حیث لاتمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقه حملا للفظ علی ظاهره وعملا بالدلیل بتمامه، قال المولی المحقق علی الاطلاق

سوال وجواب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کارِ ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے، تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امورِ خیر کو عام ہے، اس کو تملیکِ فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکّم ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری ومسلم وغیرہ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدّقوا کا لفظ ہے، تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کارِ ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا، لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب وجوبی مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۵۸

محمد بن الهمام قدس سره فی فتح القدیر
اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثة الواحدة
للضرورة[1] الخ وقال فی تشیید هذا الجواب
تحقیقه ان الحمل لما یجب الا للضرورة
وهی المعارضة بین المطلق والمقید[2] الخ۔
فالمناط عند التنقیح هو التمانع
دون اتحاد الحکم والحادثة۔

خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے
وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی
کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے،
اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا
مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک
کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس
حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد
لیں گے، اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے،
یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی
بالکل ضرورت نہیں۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت
ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"

تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں، بلکہ دونوں
حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذلك من عاشر عرائس نفائس
عباراتهم فقد حکموا ان لا حمل ان
وردا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب
ولا ان کانا منفیین لامکان الجمع
بالامتناع مطلقا وانه یجب الحمل
ان اتیا فی حکمین مختلفین
یوجب احدهما تقیید الاخر

مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند
مثالیں پیش کرتے ہیں:
(الف) تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید
اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو
مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شئی
کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو
حمل کی ضرورت نہیں۔"

---

[1] فتح القدیر
[2] فتح القدیر

بتوسط اللازم، وذلك كان ينفي المقيد لانه لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذلا اعتاق عنه بدون تمليكها عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، وعللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالى فصيام ثلثة ايام[1] مع قراءة ابن مسعود رضي الله تعالى عنه بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افادوا ان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولهذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائیگا کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بناؤ، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان غلام خرید کر ہی آزاد کیا جائیگا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے، لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا، اور اُسے مالک بنائے بغیر اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹
[2] التوضیح والتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولی بحر العلوم ملک العلماء عبد العلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ، فیہ اشارۃ الی ان الحمل انما ھو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب او الاباحۃ اولا نہا لعرف اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذۃ بترک القید و ایجاب المطلق اجزاءہ مطلقا[1] اھ ، قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی ما نقلہ فی البحر مقرا علیہ بل متمسکا بہ من ان الاصح انہ لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا الا فی حادثۃ ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طہورا ولم یحمل ھذا المطلق علی المقید وھو حدیث التراب طہورا[2] اھ فلعلہ اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا ، متفرق طور پر ہو یا مسلسل ، اس سے کچھ تعرض نہیں کیا صِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا ، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب ہو گئے ، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا ، اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب ہے ، اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا۔

(د) عبارات علماء النقل: بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی : "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے ، احکام مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں ، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں ، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا ، مجرم ہوا ، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا ، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے ، مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق ما دل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۳۶۲

[2] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۹۹

الحادثة مطلقا، فافاد ان ليس هذا من المناط فی شیٔ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای ما لم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض، الاتری ان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ھذا التقریر لایتجہ ما اورد علیہ العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی ردالمحتار کما اوضحتہ فیما علقتہ علیہ وللعبد الضعیف ھٰھنا بحث شریف لولا غرابة المقام لاتیت بہ۔

مقید مان لیا جاتا ہے۔

(۵) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحرالرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا، "ساری رُوئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا "التراب طھور" (مٹی پاک ہے)، یہ خاص اور مقید ہے، ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزاء سے تیمم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ و حکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دارو مدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے، اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الانتجار ھٰھنا لوحمل علی التصدق لکونہ معہ کالمطلق مع المقید فکذلک یجب حمل الاطعام الوارد عند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا وادخروا[1]، و

ایک اور دلیل یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا:

(۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی:

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدة رضی الله تعالٰی عنه کلوا ما بدا لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایة ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه کلوا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]، فانّ الاطعام ایضا مع التصدق کالاتجار مع انه باجماع العلماء علی اطلاقه جار للاتفاق علی اباحة الاباحة وعدم قصر الامر علی التملیک، فافهم والمتأمل الموفق اذا نظر حدیث امّنا رضی الله تعالٰی عنها مع هٰذه الاحادیث[عہ] الاربعة علم فی روعه ان المراد ثمه بالتصدق المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالية

(۲) کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے:

(۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو)

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے، تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" (طلب اجر یعنی کار ثواب کرو) ہے اور بقیہ تین حدیثوں میں "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے، اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا۔ اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عہ ای احادیث نبیشة وسلمة وبریدة وابی سعید رضی الله تعالٰی عنهم ۱۲ منه قدس سره۔

یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث۔ ۱۲ منہ قدس سرہٗ۔ (ت)

عہ ظنی انه لابد ههنا من لفظ علیه (ای یجب حمل الاطعام الوارد فی الاحادیث علی التصدق)۔

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصة فی اکلها بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من النهی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

كما سيرد عليك تحقيقه ان شاء الله تعالى كما تلمتم وترد مورد اواحدا ، و الاحاديث يفسر بعضها بعضا وبالله التوفيق۔

حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے، اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهيك قول الامام الجليل صاحب الهداية فيها يستحب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاكل والادخار كما روينا والاطعام لقوله تعالى واطعموا القانع والمعتر، فانقسم عليها اثلاثا اه، ومعلوم ان الاطعام لا يقتصر على التمليك لا لغة ولا شرعا وقد اجمعوا ههنا على

تائید مزید اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں، کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشاد الٰہی ہے: اطعموا القانع والمعتر (کھلاؤ صابر اور مانگنے

لہ الهداية كتاب الاضحية مطبع يوسفى لكهنؤ ۴/۴۴۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ما شرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون، ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح هذا الکلام وذلك لان الأیة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخار فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا[1] اھ و معلوم ان لیس فی الأیة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ههنا هو المحمول علی الاستجار دون العکس واللّٰه الموفق۔

والے فقیروں کو) تو جب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کرلیا جائے۔"

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں، اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں،

"قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا، تو جہتیں تین ہوئیں، لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہیے۔"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے، اور اس سے ہر قسم کا کارِ خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرکه بطریق زید الحباب عن عبداللّٰه بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[2]

ایک شبہ اور اس کا جواب: امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورۂ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

---

[1] غایۃ البیان

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ورواه البيهقي ايضا في سننه الكبرى، قال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه[1]

قلت وهذا وان رده الذهبي في التلخيص، فقد تلقاه العلماء بالقبول، وبهذا يتقوى الحديث وان ضعف سندا، بيد انهم كما ترى لا يجرون على اطلاقه، فقد اتفقوا على جواز البيع للتصدق، ونص ائمتنا في الصحيح عندهم على جواز البيع بما يبقى، فكان الشان في تنقيح معنى الحديث.

وانا اقول وبالله التوفيق من تأمل نظم الحديث وامعن النظر في القواعد الفقهية، الجأه ذلك الى الجزم بان المراد بيع خاص لا مطلق التبدل كيفما كان، كيف وان التصدق من مقاصد الاضحية المأذون فيها شرعا، وان للبدل حكم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القيمة في زكوة وفطرة ونذر وكفارة كما نص عليه في الهداية والكافي والكنز والتنوير وغيرها عامة كتب المذهب، فاذا جاز هذا، والصدقات واجبة، فلأن يجوز وهنا نافلة اولى فافهم، اما عدم جواز ذلك في الهدايا والضحايا بان لا يريق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنا دیتی ہے۔ الفاظ حدیث کے یہ ہیں:

من باع جلد اضحية فلا اضحية له۔

(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ اور چیز کے لئے بھی اس حدیث کی رُو سے ناجائز ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلے میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کر سکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے، اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا چنانچہ زکوٰۃ وفطرہ میں جس طرح اصل (غلہ، چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح اس کی

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیۃ تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ويعطى القيم، فان القربة فيها بالاراقة دون التصدق، وهى غير معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم، كما افاده فى الهداية والبحر وغيرهما۔ ثم انا نجد الجزاء اى فلا اضحية لهٗ اعظم شاهد على عدم الاطلاق، فان من باع للتصدق فقد اتى بما كان منه وباليه فى الاضاحى، فكيف يجازى بانتفاء قربته مع انه لم يزد على القربة الا قربة مطلوبة فى خصوص المحل، وقضية الجزاء ترتبه على فعل ينافى التضحية و ينفى الاضحية على ما فيه من التاويل لكونه فى معنى الرجوع عن القربة، فلا يمكن ان يكون من باب القربة، بل ولا من باب الاكل والادخار فان الشرع قد رخص فيهما ايضا مثل الاستجار، ولوكان فيهما ما ينافى الاضاحى ويصح ان يترتب عليه نفى الاضحية، لما اذن فيهما، فعلم

قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہیے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اسکی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاً جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے، اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیساکہ بحر و ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے، اس لئے قیمت سے بھی ادا ہوجاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطورِ شرط و جزا وارد ہوئی، شرط یہ جملہ ہے، "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے، "اس کی قربانی نہیں ہوتی"۔

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے اور قربانی قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصولِ ثواب

ا؎ المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ذٰلك من أثبات المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع ما رخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لالات يصرف الى قربة فات الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل، والادخار[ع] لكونه لا نفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهي المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ما ينتفع به باقيا فالاكل وان فقد الائتجار ان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقي فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل والادخار وان ذهب فالائتجار حاصل وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهرات ما نحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه في عامة كتب المذهب

ع الادخار والائتجار كلاهما بالنصب عطفا على الاكل ۱۲ منه قدس سره۔

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھا لیا جائے، تو یہ افعال لا اضحیة له (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کیلئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام [illegible] اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہوگئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لا اضحیة له (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے، اور ہلاک ہونیوالی چیز سے بجائے ثواب

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بنا پر، ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانكار جوان هذا ان ليس تحكما فماذا ، وانت اذا تأملت ما القيت عليك ، واخذت الفطانة بيديك وجعلت الانصاف بين عينيك ، لعلمت ان هذا هو الغنى المفهوم من الحديث ، فى اول النظر كما بعد الطلب الحثيث فان المتبادر من سياق اللفظ ان يكون بيعه[ع] للانتفاع لانه عقد موضوع

بچا، تو اکل و ادخار تو ضرور ملتفی ہوا، لیکن طلب ثواب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہِ ثلثہ میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے۔

ایک آسان بات | یہ طبی اور دقیق بحث ترک بھی کر دی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کیلئے ہوئی ہے اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

ع[ع] ثم بعد زمان لما منّ المولى سبحنه وتعالى على بشراء غاية البيان للعلامة الاتقانى رأيته نقل عن الامام شيخ الاسلام بكل ما يشير الى هذا الذى نحوت اليه حيث قال قال شيخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالى فى مبسوطه اما اللحم فالجواب فيه كالجواب فى الجلد ان باعه بالدراهم تصدق بثمنه وان باعه بشئ أخر ينتفع به جاز كما فى الجلد وانما ذكر محمد رحمه الله تعالى البيع فى حق الجلد دون اللحم لانه بنى الامر على ما هو الغالب وفى الغالب كما ينتفع بعين الجلد يباع بشئ أخر ينتفع به وفى اللحم فى الغالب ينتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

لذلك وهو الغالب فيه وان يكون بالدراهم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوی فيه جهتا البيع والشراء، اما سائر المستهلكات ففی حكم الدراهم، ولذا جعلها فی الهداية هی الاصل، وقال فی سائرهن اعتبارا بالبيع بالدراهم[1] هذا اكله ما خطر بالبال مستعجلا، فانعم الفكر منصفا متأملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آل جهدا فی اتباع الغرض من ائمة النظر، والله الهادی الی عوالی الفكر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے، اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ بَاعَ بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باعَ" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنی ذات کے تمول وانتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب | اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے، اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا: اعتبارا بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا یباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبيع هو الذی يقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سرہ۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ، تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ ہے جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ | کتاب الاضحیۃ | مطبع یوسفی | ۴/۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس) اقول وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ صحنی قول الھدایۃ "لو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ[1] اھ" فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقاً فانہ رحمہ اللہ تعالیٰ ونفعنا ببرکاتہ فی الاولیٰ والاخریٰ قال اولا "یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت[2]"، ثم قال "ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ[3]"، ثم قال "ولایشتری بہ مالاینتفع بہ الابعد استھلاکہ[4]" وقال فی تعلیلہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم[5]"، قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[6]"، ثم قال "ولو باع الجلد او اللحم[7] الخ" فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع لا مطلق البیع، کیف ولواریدالمطلق لماساغ قولہ "ولایشتری بہ مالاینتفع بہ الخ" فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا

عبارتِ ہدایہ کی تشریح ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا: "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔"

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کیلئے بیچنا ہے، مطلقاً نہیں۔ کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ـــــــ

ـــــــ اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہوجائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے، تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[1] تا [7] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۵

وبطل تعلیلہ بانہ "تصرف علی قصد التمول" فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیہ ذلك کما اسلفنا تحقیقہ، وقولہ "ولو باع الجلد الخ" انما ھو متفرع علی تلك المسئلۃ فلا یراد بہ الا ما اُرید بہا، کانہ لما بین عدم جوازہ نشأ السؤال فقیل اذا لم یجز ھذا، فان فعلہ فاعل فماذا علیہ، فاجاب بانہ یتصدق بثمنہ ثم نشأ السؤال بان قولکم ھذا یفید صحۃ البیع فکیف بحدیث "من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ"[1] فاجاب "بانہ الحدیث انما یفید کراھۃ البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرۃ علی التسلیم[2]" وھذا دلیل اٰخر علی انہ لیس الکلام فی مطلق البیع بالدراھم فان البیع بہا لاجل التصدق لایکرہ اصلا، وقد بین ھذا، فابین من ھذا مولانا العلامۃ العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قول المولی الغزی رحمہما اللہ تعالٰی "تصدق بثمنہ اھ مفادہ صحۃ البیع

والی بیع ہے مطلقًا بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے "ما لاینتفع بہ" (جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتبارًا بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانہ تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہُوا) اور اسی کے بعد صاحبِ ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقًا بیع کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے، اس کا صدقہ واجب ہے، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیع ہُوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لا اضحیۃ لہ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھۃ" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلا سکتا ہے، اس لئے بیع تو ہوگئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ الحج) دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

مع الکراہۃ، وعن الشافعی باطل لانہ کالوقف مجتبی[1] اھ فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ "تصدق بثمنہ" یفید کراھۃ البیع، فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی المارۃ فی قولہ "لایشتری بہ مالاینتفع بہ" الی قولہ "تصرف علی قصد التمول"[2] ومن اوضح الدلائل علی ذلک ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[3] اھ فافاد ان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر، ولہذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظۃ "لایبیعہ

کی وجہ سے فاسد ہوتی۔

(۲) صاحبِ ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے "صاحبِ درمختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے، اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے، البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے، جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو، بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری بہ مالاینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۲

[2] الہدایۃ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۹

[3] الکافی شرح الوافی

بالدراهم على نفسه وعياله[1]، فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوهام، وهذا دليل رابع على ماذكرت، والخامس الوتر والله يحب الوتر، ان نقل كلام التبيين في الهندية ثم قال "وهكذا في الهداية و الكافي" اه[2] فقد افصح بلا خفاء ان معنى كلام التبيين والهداية واحد۔

"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوجاتی ہے لیکن جب اس کو تمول یعنی کسبِ زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا۔"

تو انھوں نے تونص ہی کردیا کہ ممانعت کا حکم صورتِ تمول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں' اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے"۔ تو انھوں نے توشبہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل ہوئی۔

(۵) اور پانچویں صاحبِ ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحبِ تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے"۔ تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحبِ تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحٰنه وتعالى على عبده الضعيف بشراء غاية البيان شرح الهداية للعلامة الاتقاني رحمه الله تعالى، رأيته شرح كلامه بما لم يبق للوهم مجالا، حيث قال يريد به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولكن الاضحية ساقط عنها معنى التمول، فلما باعه بالدراهم وجب عليه التصدق بها، لئلا يلزم التمول بشئ من الاضحية اوبدلها[3] فافاد كالكافي وغيره ان المنهي عنه

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسبِ زر اور حصولِ زر کی غرض مطلقاً ساقط ہے، تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے۔"

تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

---

[1] تبیین الحقائق — کتاب الاضحیۃ — المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر — ۶/۹
[2] فتاوی ہندیۃ — الباب السادس — نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/۳۰۱
[3] غایۃ البیان

هو البيع للتمول، وزادان المراد بيع يفوت القربة فخرج البيع لاقامة قربة، فانه لا يفوتها بل يحصلها وهو تقرب لا تمول، فاتضح الصواب وزال الارتياب، والحمد لله في كل باب، هكذا ينبغي التحقيق اذا ساعد التوفيق، ومن المولى تعالٰى هداية الطريق، فقد بان بنعمة الله جل وعلا ان البيع بالدراهم ليس مما يمنع مطلقا بل اذا كان على جهة التمول، وهو الذي يورث الخبث وعليه يتفرع وجوب التصدق، اما اذا باع بها ليصرفها في القربات، فذلك سائغ وسائر وجوه القرب، مطلقة حينئذ لا حجر في شيء منها.

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے، تو وہ بیع اس حکمِ ممانعت سے خارج ہوگی جو ادائے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو، والحمد للہ رب العلمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقاً بالدراہم نہیں بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کارِ ثواب کسی قسم کا ہو۔

بذلك افتيت غير مرة وكتبت فيه فتوٰى مفصلة اذ سئلت عنه لتسع بقين من ذي الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من هجرة من لولاه ما صليت الخمس، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس، ولا اقبل غد ولا ادبر امس عليه وعلى اٰله الغر الكرام افضل صلاة واكمل سلام، واخرى مجملة اذ ورد على السؤال لسبع خلون من ذي القعدة الحرام في العام الذي يلي ذلك العام

میں نے بارہا یہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا، یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اُس کا مالک بنا دے، کسی بھی

وهما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوی المبارکة ان شاء الله تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة جعلها الله نافعة للمسلمین ومقبولة لدی العالمین وحجة لعبده یوم الدین آمین اله الحق آمین۔

فمن ذٰلك نازعنی شرذمة من الهندیین اکثرهم من الوهابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراهم مطلقا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لا یجوز له الصرف الی ما نوی من القرب بل لا یخرج عن العهدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك، واحتج الاصاغر منهم علی ذٰلك بعبارتی الهدایة والدر المذکورتین وقد بینا ما هو المراد بهما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لا مساس لشیئ منهما بمزعوم القوم، فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخرٰی فی رد کلامهم، فانه لشدة وهنه نفسه غنی عن ابهان غیره، فلئن سألتهم هل الکلام ههنا اعنی فی قول الهدایة والدر فی بیع یکره لا فی غیره، لیقولن نعم، ولئن سألتهم هل البیع بالدراهم یکره مطلقا لیقولن لا، قل فانی تذهبون، ولئن قالوا فی الاول لا، لقضت علیهم حجتهم نفسها بالخطأ والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف کرنا جائز نہیں، اصاغر نے ہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل بیان اُوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے، پھر ان سے پوچھو کیا کمال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلا دے گا اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کریں گے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا في الآخر نعم ، فكلامهم انفسهم
مناد عليهم بالبهت والبطالة ، فانهم
ايضا معترفون بجواز البيع للتصدق من
دون كراهة ، وان لم يعترفوا الاتيناهم بجنود
من نصوص العلماء لاقبل لهم بها ، فناهيك
بهذا القدر متبعا لهم ، ومزيلا لوهمهم
عرض بالهم۔

ولكني اقول لاغرو من نفر
قاصرين لايكادون يميزون بين الخبيث
والسمين والرخيص والثمين والمدين والضمين
والشمال واليمين ، انما العجب من كبيرهم
الكنكوهي المدعي طول الباع وعظم الذراع
على ما فيه من انواع الابتداع حيث
زاد غباوة على الاتباع واخذ يتشبث
بما قدمنا عبارتي العيني والكافي " انه تصرف
على قصد التمول " الى قوله " فيكون خبيثا

اگر یہ چھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دُبلے
سستے اور مہنگے ، اور داہنے بائیں کی تمیز نہیں
رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی ، تعجب تو اس بات پر ہے
کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع
[illegible] کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ
فتوی دیا اور اپنی سابقہ گمرہیوں میں اضافہ کرلیا
اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی ' ہدایہ
اور دُرر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں ،
لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رد ہیں'

عن هذا كان اذ ذاك ثم ترقى به الحال
في الغواية والضلال فوقع في الكفر
البراح واختار الارتداد الصراح
واستحب العمى على الهدى نعوذ
بالله من الهلاك والردى ولاحول و
لاقوة الا بالله العلي العزيز الحكيم ١٢ قدس
سره العزيز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر
گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید
ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد
صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار
کیا ، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی
کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العزیز الحکیم ١٢ قدس سرہ (ت)

فيجب التصدق، وانه اذا تمولها بالبيع[1] الى قوله فوجب التصدق[2] فان كلامي الهداية والدرر وان كانا حجتين عليهم لا لهم، لكن لا كهاتين الناصتين بان الكلام في صورة التمول لا مطلق التبدل، لاسيما كلام الامام البدر العيني كالبدر، ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لكراهة البيع، وكراهة البيع لقصد التمول، فياليت شعري فيظن الرجل ان كل تبدل بمستهلك تمول، فيحكم بكراهة البيع به مطلقا، ام لا يدري الفرق بين التمول والتقرب حتى يحتج على الضد بالضد، ام يجيز قياس البائن على البائن والخبيث على الطيب، والمنهي عنه على الماذون فيه، بل المندوب اليه فهل هذا الاشئ نكرا، وامرا امرا، واياما كان قاتل الله الضراعة لمنع البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل هداه الله تعالى الى مسلك اهل السنة والجماعت، اذا باع المضحي جلد اضحيته بالدراهم سواء كان البيع للتمول او بنية التصدق تعين تصدق ثمنه كالنذر وهذا هو معنى الصدقة الواجبة۔

خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے، اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت کو تسلیم کیا ہے، اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے، یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے، ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

ہدا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے۔ اس نے کہا، "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے، عینی نے شرح ہدایہ میں کہا قصد تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے، تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب۔" اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہوکر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الھدایۃ انہ تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جھۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[1] اھ معربا ملخصا۔

اقول دلنا کلامک ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ العارۃ فی قولی، یالیت شعری فعرفنا بتردیدک ان لیس کل بیع بستھلک تمولا عندک وانک ماتمیز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک، او تجاھلا مع علمک ان الکلام فی سائر القرب دون التصدق فاذن لااجد لاحتجاجک بکلام الکافی مثلا، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی او لغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل "قل یایھا الکفرون o لا اعبد ما تعبدون[2] o" فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منہ المتنازع فیہ اصلا، فلا اری احدا من

تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرفِ تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کارِ ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے، اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیرِ خدا کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے: لا اعبد ما تعبدون، تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا۔ اسی طرح صاحبِ کافی کی عبارت تو بیع تمول کی ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کردی۔

یہ تو عبارتِ کافی سے استدلال کا حال ہے، اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے، اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث ہے، اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱ و ۲

المبطلین یعجز عن اقامۃ الف دلیل علی دعواہ ھذا احتجاجك بالکافی ، اما التمسك بکلام البدر فبرأك اللّٰہ من ان تنقص درجۃ عمن یدعی وجود اللیل البھیم مُسبل الاستار یحتج علیہ بوجود الشمس فی وسط السماء بازغۃ تبھر الابصار۔

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے۔ اس شخص نے کہا "کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے' تو وہ صدقہ واجبہ ہوا ، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے ، تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔

قال "فقد اتضح بھاتین الروایتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقۃ فکونھا صدقۃ واجبۃ واضح بنفسہ فلایکون مصرفھا الامصرف الصدقۃ الواجبۃ کما ھو ظاھر ، فلایجوز صرفہ الی بناء المساجد والمدارس اھ بالتغییر"[۱]

اقول ان اراد الوجوب عند التمول فنعم ، ولاکلام فیہ ، او عند التقرب فلا ولاکرامۃ ، وای اثر لہ فی دلیلك فما ثبت بھما لانزاع فیہ ، وما فیہ النزاع لم یثبت بھما ، وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلۃ من ای باب ، فنعم لك عوالك فی کل کتاب ، دلائل عدد الرمل والتراب۔

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے ، تو یہ بات صحیح ہے ، بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے ، اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کارِ ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے ، تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں ، اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے ، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

قال والصدقۃ مطلقا لابد فیھا من التملیك سواء کان اباحۃ او تملیکا تاما[۲]

---

[۱]

[۲]

اقول یا لیتك اذ لم تهتد الی الصواب قنعت، بما من قبل صنعت، ونفسك عن الاسترسال منعت، ولکنك احببت ان تزید فی الطنبور نغمة، وفی الشطرنج بغلة، فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانها تجزئ فی الصدقة مطلقا، فجعلت القسیم قسما، والضد ندا مع ان کلمات العلماء فی مسائل الاباحة غیر قلیلة ولا خفیة، بل دائرة فی کثیر من ابواب الفقه، منها الطهارات ومنها الزکوٰة، ومنها الطلاق ومنها اللقطة، ومنها الهبة، ومنها الکراهیة وغیر ذلك وهذا شرح الوقایة للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب ندرسه فی الفقه، افاد فیه رحمه اللّٰه تعالٰی فی اول کتاب الطهارات من باب التیمم، ان القدرة تثبت بطریق الاباحة، وبطریق التملیك، فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بهذا الماء ایکم شاء، والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقٰی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس شخص نے کہا: "صدقہ میں مطلقاً تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور درازلسانی سے پرہیز کرنا چاہیے، لیکن آپ نے تو ایک نئے سُر کا اضافہ کرنا چاہا، اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کر دیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنا دیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں، ابواب طلاق ولقطہ وہبہ وکراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدر الشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور تملیک سے بھی، تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ علیٰ سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی۔ اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کر لو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

على ملك الواهب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الهبة بطل ما فی ضمنها[۱] ملخصاً ونحوه فی الفتح والبحر وغیرهما، فانظر کیف باینوا بینهما، واسمع کیف اثبتوا الاباحة لکل منفرداً بقول المالك لیتوضأ به ایکم شاء، مع بداهة انه لا تثبت بقوله هذا شیئ من الملك لکل منهم، ولا لاحدهم افما کنت درست هذا، اوما دریت ولا وعیت ضابطالهم، ان ما شرع بلفظ اطعام وطعام جاز فیه الاباحة، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیه التملیك[۲]، کما فی ظهار الدر ومجمع الانهر وغیرهما فافتح العینین، هل هما قسیمان، او احدهما قسم من الاخر

سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے، وہ ہبہ باطل ہوا، اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں، اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے، اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی۔ در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ اسے فلاں کو کھلا دو" تو اس میں اباحت کافی ہے اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے"۔ تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک و اباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم!

اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوٰۃ تملیك[۳] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحة، اوما عرفت ان الامام صدر الشریعة لما قال فی النقایة تصرف تملیکا[۵]

امام غزی نے فرمایا "الزکوٰۃ تملیك، زکوٰۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے"۔

علامہ علائی فرماتے ہیں "اس سے اباحت نکل گئی"۔

---

[۱] شرح الوقایہ	کتاب الطہارۃ	المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی	۱/۱۰۵-۱۰۶
[۲] در مختار	باب کفارۃ الظہار	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۵۱
مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر	باب الظہار	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱/۴۵۳
[۳] در مختار شرح تنویر الابصار	کتاب الزکوٰۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۲۹
[۴] " " "	"	"	۱/۱۲۹
[۵] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ	فصل مصرف الزکوٰۃ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی	ص ۳۷

یعنی الزکاۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحہا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ[1] اھ اوماعقلت ماافاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع بالتملک لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ[2]، اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ رد المحتار ان المصرف علی وجہ التملک احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملک صاحبہا[3] اھ او ماسمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ انما یتصرف علی ملک المبیح لاحظ لہ من املاک اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملک المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستہلکہ المباح لہ، علی ملک المبیح او علی ملک نفسہ، قلت اذا صار ماکولا زال ملک المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملک احد[4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ھذا وکم اسرد لک یا ھذا من نقول الاسفار، وھی فی الوفور والاستکثار،

امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ) تصرف تملیکاً" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی۔ علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا" ——— "وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں، "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔"

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: مباح کر مباح لہ کھا جانے سے مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھا لیا، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی، یہی مطلب ہے علیٰ ملک نفسہ کا۔ ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۳۸

[2] بحرالرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[3] رد المحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۰-۲۱

[4] بحرالرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

ماتنتهي دون نقله الاعمار، وانا بحمد الله عالم بمناط غلطك، ومثار لغطك وسأنبهك عليه عن قريب، ان شاء المولى القريب المجيب، واما ما اوهمت من اجزاء الاباحة في الصدقات مطلقا، فواضح البطلان عند كل من يعلم ان الزكاة وصدقة الفطر لاتغني فيهما الاباحة على المذهب الصحيح المفتى به، وقد قدمنا نصوص النقاية و التنوير والدر، وضابط الدر و شرح ملتقى الابحر، وسيأتي زيادة على ذلك ان شاء الله المالك۔

وبالجملة كلام الرجل كله مع هوش من قرنه الى قدمه مخدوش، ونحن اذ قد اوضحنا المرام وازحنا الاوهام بتوفيق ربنا الملك العلام، فلا علينا ان نقصر الكلام ونطوي بساط الرد والابرام والحمد لله ولي الانعام۔

آویں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے جو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقاً اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں، ہم نے اس بات کے جزئیات تنویر اور درّ سے پہلے نقل کئے، اور درّ کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے، تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

تذييل جليل، قال العبد الذليل بعد هذا، وقفت على تحرير آخر لبعض جبلة العصر من افاضل اهل السنة جنح فيه نحو ما جنح اولئك القوم، وحكم ان لابد ههنا من التمليك متمسكا بما تحريره حكم جلود الاضاحي ان يتصدق بها او ينتفع بها بنفسه او يستبدل بها بما ينتفع به مع بقاء كالغربال والسجادة وغيرهما، ففي صورة

ایک سُنّی عالم کا فتویٰ البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے:
"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلّٰی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے۔"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملیك اھ حاصلہ معربا۔

اقول ھذا الکلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومہ فی التقرب، ولم یلم کلامکم بایجاب التصدق ھھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویۃ ھی التی کانت محتاجۃ الی البیان وقد طویتموھا و طویتم الکشح عن بیانھا فاختل البرھان، وکان ملحظ ھذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثۃ وبالبیع بالدراھم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وھو لابد فیہ من التملیك ھذا غایۃ ما یقال فی تقریر کلامہ، علی حسب مرامہ ھنا ادام اللہ بلطفہ واکرامہ فالأن۔

کھال کا صدقہ صدقہ واجبہ ہے، نیز یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کارِ ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغرٰی ہے، بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے، ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے، لعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے، یا باقی رہنے والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب لعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی تو تصدق متعین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق، اعلموا ان للصدقۃ اطلاقات: الاول اخصھا تملیك المال من الفقیر مجانا، تخرج الاعارۃ والاباحۃ وھدیۃ الغنی والاقراض وھذا ھو المراد فی الزکوۃ وصدقۃ الفطر، وبھذا المعنی یقال ان الصدقۃ لابد فیھا من التملیك وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحۃ

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) تملیك المال من الفقیر" اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنی

فیھا قطعاً[عہ]، ولذا قال فی ظھار التنویر، صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات والعشر[1] قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکوۃ وصدقۃ الفطر[2] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔

الثانی تمکین الفقیر من المال مجانا، وھنا یقطع النظر عن التملیک ویکتفی

میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے:

"کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے صدقات اور عشر میں نہیں۔"

لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔" یہاں کفارہ قطعاً واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔

(۲) "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے، اور یہ انتفاع، تصرف اور

عہ ای فی نوع الطعام منھا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیھا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ھذا المراد، وانا اقول خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ما ینتفع بہ باستھلاکہ کالماکولات والمشروبات، والکسوۃ لیس ھکذا کما لایخفی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو اقول (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱
[2] ردالمحتار علی الدرالمختار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۴
حاشیۃ الطحطاوی " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۰۲

باطلاق الانتفاع، والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فهى من الصدقات الواجبة كما قال القهستانی والشامی وغیرهما فی مصرف الزکٰوة "انه هو مصرف ایضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة اھ[1]" وبه علم ان هذین المعنیین لایتعداهما الواجب من الصدقات والخلط بینهما کانه هو الذی حدا ذالك الرجل الوهابی ان جعل الاباحة من التملیك، وذلك انه رأی فی الفتح ما یقصر الصدقة علی التملیك ورأی فی رد المحتار ما نقلنا انفا وهو یفید ان الکفارة ایضا من الصدقات، وقد نقل العبارتین فی فتواه فاظن انه نظم منها شکلا واستنتج منه ان الکفارة لابد فیها من التملیك، وکان داریا ان الاباحة تسوغ فیها، فلم یتمالك نفسه ان حکم بکون الاباحة قسما من التملیك لانه اضطربت لدیه الاقوال، وضاق علیه میدان المجال ولم یدر التفصی عن الاشکال الابابداء هذا المحال، ولم یعرف المسکین فرق المجال، وان تغیر الاوسط یهدم الاشکال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے، صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے جو صدقہ واجبہ ہے ، اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے، چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:

"جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقۂ فطر، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔"

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا، صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے اور رد المحتار کی ابھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے، اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا، فتح القدیر کی عبارت "الصدقة

---

[1] رد المحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیہا التملیک ھی الصدقۃ بالمعنی الاخص الوارد فیہا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤداھما ، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی ، فلا شکل ولا اشکال والحمد للہ المہیمن المتعال ، علی انہ ان قطع النظر عن ھذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق ، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیک کما فعل الفاضل القہستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ[1] اھ لا ان یرتکب مثل ھذا المحال ، وباللہ العصمۃ عن السوال الضلال ھذا ماوعدنا لک فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ۔

یجب فیہ التملیک " میں صدقہ سے مراد صدقہ خاصہ بمعنی اول ہے ، اور " الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ " کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے ، حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے ، وہ فرماتے ہیں " انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات " صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

الثالث ومما یقطع النظر عن الفقر ایضا ، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر والغنی ، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عند ما یثاب بہ بلاخلاف[2] اھ وقال فی

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک ، اباحت اور فقیر و غنی ، دونوں کو عام ہو ، توسط شرح ابوداؤد میں ہے :

" صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے۔ "

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۸ - ۳۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[1] اھ وروی احمد والطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی اللّٰه تعالٰی عنه، قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انك ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة[2]، وله فیه عن ابی امامة الباهلی رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ما انفق الرجل فی بیته واهله وولده فهو له صدقة[3].

الرابع ربما تطلق حیث لا تملیك ولا اباحة اصلا وانما هو تصرف مالی قصد به نفع المسلمین کحفر الآبار وکری الانهار وبناء الربط والجسور والمساجد والمدارس وغیر ذلك، وعن هذا نقول انها صدقات جاریة، ومن ذلك قولهم فی الاوقاف صدقة مؤبدة، وعلیه جاء قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے گو مجازاً ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تصریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔"

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وُہ بھی صدقہ۔"

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور اولاد پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پُل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امورِ خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں، اور اوقاف کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۹۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/۲۶۸

[3] " " ۷۶۷۶ " " ۸/۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یا رسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا، و قال ھٰذہ لام سعد[1]، کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ، ومعلوم ان لا تملیک فیہ ولا اباحۃ، فان من شرطہا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لا یخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لما لم یملکوہ لا تصح اباحتھم[2] وقد نص علماؤنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر و نحوھا ما وضع للاحراز ولا یملک المباح بدونہ[3]، وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا۔ انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح، مباح کرنیوالے کی ملک ہو۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں: "جب مالی ہو تو وہ مالکوں کی ملک نہیں تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں۔"

اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں"۔

ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی۔"

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الزکٰوۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶
سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۳
مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۲۸۵ و ۶/۷
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکٰوۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2]

[3] الہدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۸۳

فی الولوالجیة وکثیرمن الکتب لونزح ماء بئر رجل بغیر اذنه حتی یبست لاشیئ علیہ؎ لان صاحب البئر غیر مالک للماء اھ[1] فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلٰی ھذا سائر القرب المالیة سواء فی دخولہا فی معنی الصدقة۔

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے:"اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں۔"

تو یہ صدقہ اسی معنٰی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے، اور اس معنٰی میں سارے مالی کارِ خیر، صدقہ قرار دیئے جانے میں برابر ہیں۔

وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خان فی الخانیة قریة فیہا بئر مطویة بالآجر خربت القریة، وانقرض اہلہا وبقرب ھذہ القریة قریة اخری فیہا حوض یحتاج الی الآجر فارادوا ان ینقلوا الآجر من القریة التی خربت ویجعلوہا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلک البئر لایجوز صرف الآجر الا باذنہ، لانہ عاد الی ملکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلک ان

اطلاق خیر کی دوسری مثال امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں:"ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اُجڑگیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

؎ قلت ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوک لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظہر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولاضرر ولاضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دارالمعرفة بیروت ۲/۱۸۶

يتصدق بها على فقير، ثم ذلك الفقير ينفقها في ذلك الحوض، لانه بمنزلة اللقطة والاولى ان ينفق القاضي في هذا الحوض، ولا حاجة فيه الى التصدق على الفقير[1] اھ، وفي الهندية عن الواقعات الحسامية، فيما اذا لم يعلم الغارس، الحكم في ذلك الى القاضي ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك[2] اھ وقال في الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأي للقاضي ان رأى ان يبيع الاشجار وتصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك، وتكون في الحكم كانها وقف[3] اھ

قلت اى في انه مال مصروف الى وجوه البر، اما الوقف فلا لما في الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة، وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابوجعفر رحمه الله تعالى وقف الاشجار لا يصح، فتكون الاشجار للواقف، ولورثته

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگا دے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی۔"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے:

"اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کر سکتا ہے۔"

خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگا سکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہو جاتا۔ اسی خانیہ میں ہے:

"ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

---

[1] فتاوی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۵
[2] فتاوی ہندیۃ " الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۷۳
[3] فتاوی قاضیخان " فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۴

ان مات ، وكذا البناء فى الدار التى جعلها
مقبرة اھ[1] ومعلوم ان حكم اللقطة هو
التصدق الا ان يكون الملتقط فقيرا، فيصرفه
الى نفسه ، وهو ايضا من باب التصدق من
المالك ، بل قال فى الدر المختار عن العمدة
وجد لقطة وعرفها ولم يرد بها فانتفع بها
لفقره ثم ايسر يجب عليه ، ان يتصدق
بمثله اھ[2] وان كان المختار خلافه كما فى
البحر والنهر ، عن الولوالجية ، والهندية
وجامع الرموز عن الظهيرية قلت لان
الصدقة اصابت محلها فلا تتغير بتغير
حاله كفقير اغنى الزكوٰة ثم ايسر ليس عليه
ردها ، وبالجملة الحكم هنا التصدق
وقد نصوا على جواز صرفه الى عمارة
المقبرة واصلاح الحوض ، ومن ذلك
ما فى الرحمانية عن الاجناس ، اذا خرب
مسجد ولا يعرف بانيه وبنى اهل المسجد
مسجدا آخر ثم اجمعوا على بيعه ، واستعانوا
بثمنه فى ثمن المسجد الآخر فلا باس به ؛
وهذا قول محمد خلافا لابى يوسف فانه
مسجد ابدا عنده اھ[3] ، وفى السراجية مسجد
عتيق لا يعرف بانيه خربت فاتخذ بجنبه

ہوں گے ، اور وہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک
ہوں گے ، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار
میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزئیہ ہے : "مسجد ویران ہوگئی جس
کے بانی کا پتہ نہیں ، اور لوگوں نے دوسری مسجد
بنالی ، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر
اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں ، تو امام محمد کے
نزدیک اس میں حرج نہیں ، اور قاضی ابو یوسف
کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد
ہی رہے گی۔"

سراجیہ میں ہے : "پرانی مسجد جس کے بانی کا
پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی ، لوگوں نے اسی کے قریب
دوسری مسجد بنالی تو قاضی ابو یوسف کے نزدیک
ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں
لگا سکتے ، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے ،
اور فتوی قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالی کے قول
پر ہے۔"

اس کی وجہ یہی ہے کہ مسجد جب ڈھے کر
ناقابل استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہو گئے ، تو
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی
ہوجاتا ہے ، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی ،
اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

---

[1] فتاوی قاضی خان — کتاب الوقف — فصل فی المقابر والرباطات — نولکشور لکھنؤ — ۴/۷۲۵
[2] درمختار — کتاب اللقطۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۶۶
[3] رحمانیہ

مسجد اخر، لیس لاھل المسجد ان یبیعوہ ویستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر، عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتویٰ[1]

وذلک ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنی عنہ یعود عند محمد الی ملک البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد ج صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ھو بھذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد، وھذہ الاطلاقات کلھا فقھیۃ کما تری۔

میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

تو جب ہر قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہوگئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے، ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے، بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہوگیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتویٰ اس کے خلاف ہے (بحر و نہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریہ)

میں کہتا ہوں قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوٰۃ کھاتا رہا اب مالدار ہوگیا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوٰۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارتِ مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنیٰ میں ہے اور اس کو مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک ہے نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔

الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر او دفع الضیر، کیفما کان، ومن ذلک حدیث تکرار

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردی جاتی ہے، اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے، اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

---

[1] فتاوی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه[1] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل سلامی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس تعدل بین الاثنین صدقة بینهما، وتعین الرجل علی دابته فتحمل علیها، او ترفع له علیها متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة و دل الطریق صدقة وتمیط الاذی عن الطریق صدقة[2]، اخرجه احمد والشیخان عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه، وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ما من رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسده فیتصدق به الا رفعه الله به درجة وحط عنه خطیئة[3]. اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوه عن عبادة رضی الله تعالٰی عنهما باسناد صحیح۔

کرنے کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا:

"الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه
کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔"

یوں ہی سرکار نے فرمایا، "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے، تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے، اس کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے، اچھی بات صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے، راستے سے کوڑا کرکٹ دور کر دینا صدقہ ہے۔ (احمد و مسلم و بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یوں ہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد و ضیاء نحوہ عن عبادہ باسناد صحیح)

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۸۵/۱
جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی دہلی ۳۰/۱

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۱۹/۱
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲۵/۱
مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۳۱۶/۲

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱۶۷/۱
سنن ابن ماجہ " باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷
مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۴۴۸/۶

السادس قد يستقصى فى التوسع فيقطع النظر عن الغير ايضا و يطلق على كل فعل حسن محمود فى الشرع فانه ان لم يكن تصدقا على غيره، فتصدق على نفسه، ومن ذٰلك قوله صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم فى حديث ابى هريرة المار كل خطوة تخطوها الى الصلٰوة صدقة[1]، وجاء فى حديث كل تكبيرة صدقة[2]۔ وقد قال صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم كل معروف صدقة[3] اخرجه احمد والبخارى و آخرون عن جابر، واحمد ومسلم وابو داؤد عن حذيفة والطبرانى فى الكبير عن ابن مسعود، والبيهقى فى الشعب عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالٰى عنهم، زاد عبد بن حميد والحاكم وصححه فى حديث جابر هذا وما انفق المسلم من نفقة على نفسه واهله كتب له بها صدقة[4]، وتتمه حديث المقدام المقدم

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود و مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔

"مسجد کی طرف بڑھنے والا قدم صدقہ ہے ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر نیکی صدقہ ہے (احمد و بخاری و آخرون عن جابر، احمد، مسلم، ابو داؤد عن حذیفہ، طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس)

عبد ابن حمید اور حاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی "مسلمان نے اپنے اور اہل و عیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا"

ابھی ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے "اور جو خود کھایا صدقہ ہے"

ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کر لیں، شاید کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے۔

اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے کہ قربانی کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۳ و ۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ 〃 〃 〃 ۱/۳۲۵

[2] 〃 کتاب صلوٰۃ المسافرین 〃 〃 〃 ۱/۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب 〃 〃 〃 ۲/۸۹۰
صحیح مسلم 〃 〃 〃 〃 ۱/۳۲۴
سنن ابو داؤد 〃 〃 〃 ۲/۳۲۰
مسند احمد بن حنبل ۵/۳۹۷ و المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۴ و ۱۰۴۱۲ ۱۰/۱۱۰ و ۲۳۲

[4] فتح المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/۵۰

ذکرہ، وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[1]، التقن هذا فلعلك لاتجد بيانه تلك الاطلاقات الا فی هذه الوريقات والله سبحنه واهب العطيات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولهم فی الاضاحی يتصدق بالثلث وقولهم يندب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث، ليس هو المعنى الاخص الاول، كيف و قد اجمعوا على اباحة الاباحة فی القربان فلا يمكن تعيين الاخص المنحصر فی التمليك، ويتضح ذلك فی قول مجمع الانهر وغيره الجهات ثلث الاكل والادخار و التصدق اھ[2] فان الاطعام العام الغير المخصوص بالتمليك المنصوص عليه فی قوله عز مجده واطعموا القانع والمعتر[3]، وقد استدل فی الهداية بالاٰية على قول البداية يستحب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجهات ثلث الاكل و الادخار لما روينا والاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر فانقسم عليها اثلاثة[4]

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کس اطلاق کے تحت آیا ہے، تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلا سکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے، اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں: "قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے، کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا۔"

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے۔"

صاحب ہدایہ کہتے ہیں: "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں، کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ، تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا۔"

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۲۶۹
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱
[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶
[4] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۹

فلوكان المراد بالصدقة هو المعنى الاخص لما انطبق الدليل على المدعى كما لا يخفى، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التمليك انما هو فى المعنى الاوّل وانّه غير مراد ههنا، وجب ان لا يكون مرادا ايضا قولهم يتصدق بجلدها فان التصدق ههنا هو عين التصدق فى قولهم يتصدق بالثلث، يرشدك اليه تعليل الهداية بقوله لانه جزء منها فثبت ان ليس تصدق الجلد مما يقتصر على التمليك حتى لو صنع منه دلوا، ووقفه على بئر مسجد ليستقى به المتوضئون جاز[عه] فظهر سقوط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسبِ قولِ ہدایہ "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی۔ مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے، القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقى انه اذ ليس المراد الاول فاىّ البواقى يراد وانما البينة على من يدعى، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حديث نبيشة الخير الهذلى رضى الله تعالٰى عنه يهدينا الى مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوه القرب، فليكن المراد هو المعنى الرابع، وهو الغالب فى الصدقات النافلة

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے، ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے، مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عـه اى على المفتى به من جواز وقف المنقول حيث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا على آبار المساجد اھ ۱۲ منه قدس سره العزيز۔

یعنی مفتیٰ بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسّی وغیرہ مساجد کے کنووں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

علی ان قد بینا ان معنی المنع لیس ترك التصدق المامور به فانه غیر المامور به ههنا راسا بل المعنی قصد التمول المنهی عنه فی کل ما تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی، وهو لا یتحقق فی شیئ من القرب، فلا یضرنا عند التحقیق ارادة شیئ من المعانی اصلا، کما لا یخفی علی من رزق العقل السلیم والفهم المستقیم، والله سبحٰنه بکل شیئ علیم، هذا اوجه فی الجواب عن احتجاج هذا الفاضل المستطاب۔

اقول ثانیا مبناه علی حصر المآخذ فی الاوجه الثلٰثة، ولا دلیل یدل علی الحصر، وعدم الذکر لیس ذکر العدم، وهذا الامام القدوری مقتصرا فی مختصره علی شیئین التصدق وعمل آلة حیث قال ویتصدق بجلودها او یعمل منه آلة تستعمل فی البیت اهـ[1] فترك التبدل بما یبقی ایضا، افیظن کلامه هذا معارضا لکلام من ثلث، وهذا المحقق الحلبی قال فی ملتقاه، وهو من متون المذهب المعتمدة کما نص علیه العلامة الشامی، یاکل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کارِ ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کارِ خیر کو عام ہے، تو چوتھے معنی جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصدِ تصدق کی ممانعت ہے، نہیں قصدِ تمول کی ممانعت ہے، تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصدِ تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح | جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سمجھا کہ صارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں کہ عدمِ ذکر ذکرِ عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کر دیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنائی جائے"۔ تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے۔"

---

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی و فقیر، وندب ان لاینقص الصدقة عن الثلث[1] اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح وان اختیر ما صححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدیل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبوب وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب والجراب لاعکسه فی الصورتین، فقد ترك ھذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ، ونظائر ذلك ان تتبعت اعیاك عدّھا کثرا واذ لاحصر فلا مساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ھذا فی مطاوی کلامنا فی الوجه السابق۔

تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے، اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلّہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی، اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ، اس کا الٹ نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصر و احاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔

واقول ثالثا ان لم یتم الا الحصر فبثوتی افلا یجوز اھداء لغنی، و لیس من الثلثة، اولا یجوز الاعارة من فقیر او ملی ولیس منھا اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق، فاذ بقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی۔

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا نا جائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں، یا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کارِ ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کارِ ثواب کیلئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کارِ ثواب کے لئے بیچنا منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۲۲۴

اذا فعل ذلك، بل الدليل ناطق بخلافه فان المالم انما هو قصد التمول وهذا المعنى منه، والمسوغ كما تبين بكلام التبيين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا في الورد والصدر، هذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر، ومعاذ الله ان ابرئ نفسي من الخطأ والزلل واصر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحٰن الله ايش انا وايش رأيي، وانما النقص بضاعتي والخطأ صناعتي، والجهل صفتي والعجز سمتي، فان اصبت فبتوفيق ربي، وله الحمد في كل ان وحين، وان اخطأت فبشؤم ذنبي، واسأل التوبة ارحم الراحمين، والحمد لله العزيز الوهاب، والصلاة والسلام على النبي الاواب وآله وصحبه خير آل واصحاب، واذا انتهت الرسالة بحمد ذي الجلالة وددت ان اسميها بعلم لطيف، يكون علما على عام التأليف، كما هو دأبي في جميع التصانيف وقد جاءت بحمد الله تعالى مختصرة، ومع الاختصار مطهرة مظهرة فناسب ان اسميها "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية" وكان ذلك ضحوة الخميس لليلة بقيت من ذي القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو، اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے، وہ بیع بقصد تمول ہے، اور ان دونوں میں بون بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتدا و انتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا و لغزش سے بری نہیں گردانتا، اور غلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور غلط شانِ بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میری شان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں اور اسی کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے

هجرۃ المولی سید الانام افضل صلاۃ و اکمل سلام واجمل تحیۃ من الملک المنعام علیہ وعلی آلہ وصحبہ الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمد للہ ذی الجلال والاکرام کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں، والحمد للہ رب العلمین۔

مسئلہ ۲۹۴ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم، مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل صلوۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے، نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے، اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار وایثار دونوں جائز ہیں، خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں، یا اُسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور ان کی سبیل تصدق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۵ از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد ظہ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنا چاہئے، اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے (۱) شرح وقایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الاحصار، بیان احکام الھدی۔ (۲) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول، باب الھدی

(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی (۵) قدوری، باب الھدی (۶) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ دلائل پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الہدی میں بیان کیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم علی طریق التنزل یہ ثابت بھی ہو جائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراوں یعنی رسّی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے خطام کے معنی گراوں کے ہیں۔

سوم کتاب عمدۃ الرعایہ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے، اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے، تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے؟ فقط تمام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسّی یا خود اس میں رسّی باندھیں، اس حلقے کو بُرہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ، اور لکڑی کو خشاس بالکسر اور فارسی میں مہار بالفتح، اور اس رسّی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے، اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے، دوسرا یہ کہ رسّی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مُہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسّی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اُسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اُس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف او شعر او قطان فیجعل فی احد طرفیہ حلقۃ، ثم یشد فیہ الطرف الآخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ، واما ما یجعل

اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کاٹن سے رسّی بنا کر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہو جائے، پھر اسے اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقا فهو الزمام[1]

ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔ (ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفه حلقة ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه[2]

خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرف حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے، پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذلك لانه یقع علی خطمه[3]

اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کو خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے (ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل هو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفه کان من جلد او صوف او لیف او قنب[4]

ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطامه) هو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی انفه[5]

(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے (ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابة مقدم انفها وفمها

چارپائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۶۱
النہایۃ لابن اثیر باب الخاء " " المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۶

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام كل ما وضع فی انف البعير يقاد به[1]

کہتے ہیں، اور خطام اس شئے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے، كذا فی المحكم (محکم میں یوں ہی ہے۔ ت)۔ بحر الرائق میں ہے:

الخطام هو الزمام وهو ما يجعل فی انف البعير[2]

خطام زمام ہی ہے اور یہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

در ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی يقاد به البعير[3]

خطام وہ رسّی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

عنه بخطامه او بزمامه وهما بمعنى، والشك فی تعيينه وهو بكسر خاء خيط يشد فيه الحلقة المسماة

(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اسکی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔ اور خطام خاء کے کسرہ کے

عه ای فی حديث البخاری فی كتاب العلم عن ابی بكرة رضی الله تعالٰی عنه ذكر النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم قعد علی بعيره وامسك انسان بخطامه او بزمامه[5]۔ الحديث ۱۲ منه قدس سره العزيز۔

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث، ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹

[2] تاج العروس " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[3] بحر الرائق کتاب الحج باب الهدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷۲

[4] الدر الثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرة، ویشد فی طرفه المقود[1]

ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف، و ربما کانت من شعر[2]

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

اسی میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقة یشد بها الزمام[3]

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے:

الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیقا و قیل ما یشد به رؤسها من حبل وسیر[4]

زمام اس باریک رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسّی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة او فی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه[5]

الخ بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسّی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری او فی الخشاش

زمام اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب النون مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۴/ ۴۲

[2] " " " باب الباء مع الراء " " " ۱/ ۱۸۴

[3] " " " " " " ۱/ ۱۸۴

[4] " " " باب الزاء مع المیم " " " ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت "الزمام" مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۴

بالبرة، ويشد في طرفه المقود[1]

ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرة حلقة تجعل في لحم الانف، وربما كانت من شعر[2]

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

اسی میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقة يشد بها الزمام[3]

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے:

الزمام ما يجعل في انف البعير دقيقا وقيل ما يشد به رؤسها من حبل وسير[4]

زمام اس باریک رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسّی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضهم الزمام في الاصل الخيط الذي يشد في البرة او في الخشاش ثم يشد اليه المقود ثم سمي به المقود نفسه[5]

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسّی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام هو الحبل الذي يجعل في البرة والخشبة قال الجوهري او في الخشاش

زمام اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۶۴
[2] " " " باب الباء مع الراء " " " ۱/ ۱۸۴
[3] " " " " " " " ۱/ ۱۸۴
[4] " " " باب الزاء مع المیم " " " ۲/ ۴۳۰
[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت "الزمام" مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۶۴

ثم یشد فی طرفه المقود وقد یسمی المقود زماما[1]

میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسّی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔ (ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند و ہر چہ از مس باشد آن را برہ گویند، و آنچہ از موے آن را خزامہ[2]

خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، پیتل کی جو چھلے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں (ت)

اسی میں ہے، خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ ت)، اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار، و رشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند و بشتہ مہار بندند[4]

زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں (ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند و ریسمان بر آن بندند[5]

مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں (ت)

قاموس میں ہے: الخزامۃ ککتابۃ للبرۃ[6] (خزامہ بروزن کتابۃ حلقہ کو کہتے ہیں۔ ت)

تاج میں ہے:

وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفہ یشد بھا الزمام کما فی

اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۲۸
[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷
[3] " " باب المیم فصل الزاء " " " ص ۴۶۸
[4] " " " " " " " ۴۷۵
[5] برہان
[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۶

الصحاح، وقال الليث ان كانت من صفر فهی برة وان كانت من شعر فهی خزامة[1]

رسّی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیۃ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسہ برۃ من فضۃ، وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذلک المشرکین[2]۔

بیشک نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلّا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلّا تھا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر، وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع[3]

(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں، کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا (ت)

مجمع البحار میں طیبی سے ہے: جعلہ فی الراس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن سُحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۲ - ۲۷۳
[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴
[3] مرقاۃ المفاتیح " الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸
[4] مجمع بحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۶۹

ان صاحباً لنا رکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غنز بنفسہ[1]

ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گر گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفہا برۃ یقال ابریت الناقۃ فھی مبراۃ[2]

"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنٰی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا، کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہوگئی (ت)

عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے، مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے، اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے، اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری و مسلم کی طرف نسبت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالھا و بخطمھا، ولا تعط اجرۃ الجزار منھا[3]

قربانی کے جانور کی جھولوں اور باگوں کو صدقہ کر دے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

غلط صریح ہے، نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون۔ صحیح بخاری میں بدنہ ہدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی، باب[1] الجلال للبدن، باب[2] التصدق بجلود البدن، باب[3] یتصدق بجلال البدن، باب[4] الوکالۃ، باب[5] لایوتی الجزار من الھدی شیئا، اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی۔ دسوں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن

رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

---

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۱/۱۲۲

[2] " " " " " " " ۱/۱۲۲

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت و بجلودھا[1]

صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا (ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا وجلودھا[2]

رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کر دیا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے ان کی جھلوں اور چمڑوں کو تقسیم کر دیا۔ (ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ و ان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]۔

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہو جائیں اور اُن کا گوشت، جھل اور چمڑے سب تقسیم کر دیں (ت)

چہارم میں:

اھدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودھا فقسمتھا[4]

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کیلئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا (ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ و ان اتصدق لحمھا و جلودھا واجلتھا[5]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہو جاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کر دوں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۰

[2] ؍؍ ؍؍ باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ بالتصدق بجلود الھدی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۲۳۲

[4] ؍؍ ؍؍ ؍؍ یتصدق بجلال البدن ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۲۳۲

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری و زاد فی المساکین[1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کروں۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر مبنی ہے، اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایہ میں مذکور صحیحین بلکہ کتب متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع و ارشاد الساری و شرح مؤطا سے ظاہر۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولاجلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاھر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ، وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذلك صیغۃ افعل لا لفظ امر[2]۔

صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہے اھ۔ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لئے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظ امر۔ (ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذلك الجل، ولفظ امر لا یقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغۃ افعل لا لفظ امر[3] اھ، و مرأیتنی کتبت علی ھامش الارشاد ما نصہ، **اقول** لیس قولہ امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔

اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اور لفظ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر صدقہ لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الہدایا وجلودہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتاب العربی بیروت ۳/۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرۃ ۲/۳۲۷

ذکرِ خطام کیلئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا، اُسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقه ذکر الخطام[1] — میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکرِ خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے، ہاں ہدایہ باب الہدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور، اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شیئا[2] — قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطورِ اجرت مت دے۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الہدی میں یہی لفظ دوم ہیں، الا لفظة الاجر[3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ ت)، نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں، الا لفظة شیئا[4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ ت)

اقول تو حدیث خود کتب مروی ہوئی۔ اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشائخ ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاهما عنا[5] — ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علمائے کرام کا ادب ہے بخلاف جہالِ زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمکِ سنگ سے بڑھ کر وقعت نہیں، اور ائمہ پر سلبِ مطلق کے دعوے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/۵۴
[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی
[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان ما یستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۸۱
[5] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقۂ خطام کا عند اللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً و فقہاً صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے، قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص اقول اس کی بھی گنجائش نہیں، نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے، نہ یہ جھولیں اُن جلال سے نہ گلے کی رسّیاں اُس خطام کے مثل۔

اوّل تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح و نحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی ثم محلّها الی البیت العتیق[1] وقال تعالٰی هدیاً بالغ الکعبۃ[2]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچتی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا اگر یہ ہے کہ اصل اضحیہ یعنی تقرب بہ اراقہ لحم وجلد کا حکم یکساں ہو اور زوائد و مضافات کی طرف جو سرایت صاحب ہدی میں ہوتی، اضحیہ میں نہ ہو، لہٰذا ہدایہ و کافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارۂ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا، اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان دو پر اقتصار اور ان دو کا ترک، اور اس ترک و اقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم یہ کہ وُہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کیلئے بنائی جاتی ہیں اگرچہ وُہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں، وہ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں، اور روانگی حرم کے وقت اُن پر ڈالی جاتی ہیں، اور اُن کے لئے ان کا بنانا سنّت ہے، تقلید و اشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے، بدنۂ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ باندھے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے، اور اُن کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے، یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] " " ۵/ ۹۵

علمائے کرام نے فرمایا، ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے، ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور مدینۂ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہ کر کے رکھ چھوڑتے، عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظمہ کا غلاف کرتے، جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے، ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمول جھولوں پر صادق ہے کہ یہ اُن کے معنیٰ میں ہوں۔

امام اجل ابوزکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

في هذا الحديث فوائد كثيرة، منها استحباب سوق الهدي وانه يتصدق بلحومها وجلودها وجلالها وانها تجلل واستحباب يكون جلالها حسنا، قال القاضي التجليل سنة وهو عند العلماء مختص بالابل وهو مما اشتهر من عمل السلف قالوا ان يكون بعد الاشعار لئلا يتلطخ بالدم قالوا ويستحب ان تكون قيمتها ونفاستها بحسب حال المهدي، وكان بعض السلف يجلل بالوشي وبعضهم بالحبرة وبعضهم بالقباطي والملاحف والازر، قال مالك اما الجلل فتنزع في الليل لئلا يخرقها الشوك، قال واستحب ان

اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانور کو روانہ کرنے کا استحباب، اور یہ کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھولوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے۔ اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنّت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے، اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت و عمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں، بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں، لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا، جھلوں کو رات

کانت الجلال مرتفعة ان لا یجللها حتی یغدوالی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجللها۔[1] (ملخصاً)

کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہوں تو احرام باندھتے وقت ہی پہنا دے (ملخصاً)۔(ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھوالذی یطرح علی ظھرالحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل، وھذا من حیث العرف، ولکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوھا، قال ابن بطال کان مالك وابوحنیفة والشافعی یرون تجلیل البدن۔[2]

جلال جل کی جمع ہے، اور وہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے، یہ عرف کے اعتبار سے ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے، ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔(ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدھا بمزادة او نعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکرفی القرأن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیه، وان کان کلاھما ثابتا بالسنة لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة، ولانه قد تجلل البدنة لاعلی وجه التقرب بخلاف التقلید۔[3]

اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنائے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنتِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے، اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقہ بلحوم الہدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۴، ۴۵

[3] الکافی شرح الوافی

پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔ (ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما كان يجلل بدنه القباطی و الانماط والجلال، ثم يبعث بها الى الكعبة فيكسوها اياها، مالك انه سأل عبد الله بن دينار ما كان عبد الله بن عمر يصنع بجلال بدنه حين كسيت الكعبة عن الكسوة، قال كان يتصدق بها۔[1]

حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور جُھلوں کی جُھلیں پہناتے پھران جُھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلافِ کعبہ بناتے۔ امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے قربانی کے جانوروں کی جُھلوں کو کیا کرتے تھے، تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کر دیتے تھے۔ (ت)

ابن المنذر نے بطریق امام یحیٰی بن نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما كان يجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتی يخرج من المدينة ينزعها فيطويها، حتی يكون يوم عرفة فيلبسها اياها حتی ينحرها ثم يتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الى بنی شيبة۔[2]

بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جُھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلتے تو آپ ان جُھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنا دیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جُھلیں اتار لیتے، بعد ازاں ان کو صدقہ کر دیتے۔ حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔ (ت)

اقول اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الحج باب العمل فی الہدی حین یساق میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحوالہ ابن المنذر " " " دار المعرفۃ بیروت ۳۲۷/۲

فتح الباری بحوالہ ابن المنذر کتاب المناسک باب الجلال للبدن " " ۴۳۹/۳

میں سَو اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا ــــ ت) حجۃ الوداع شریف کُھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ سنہ ۶۳۲ ؁ء تھی، ولہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ و رسولہ اعلم، قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا، قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس یوم النحر[1]

زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کر رہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ کونسا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں، پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا،

حیث قال زعم یوسف بن عبد الملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ھذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو اذار

جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبد الملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنۃ میں کہا ہے بیشک رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں آذار اور

عــہ یعنی اس وقت کی تعبیر میں، ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وھو برمھات بالقبطیة و فیہ یستوی اللیل والنھار عند حلول الشمس برج الحمل[1] — قبطی میں برمھات ہے، اور اس مہینے میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول مراد یہ ہے کہ اُس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج آلغ بیگی سلطانی

عـہ مطلوب ۸۰ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ الم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۸۸۰ھ تھا، طول سمرقند ۹۹ مط کو طول حرم محترم عرجہ سے مابین طولین الحـ او حاصل تفریق ۸۰۰

شبازامد	ج	مرکز			
۶۰۰	ا	ط	مط	یج	مو
	ی	ح	نه	مج	ل
۲۲۰	یا	یج	مه	ب	لو
	ط	یا	لب	و	ط
بازار ۸۸۰ھ بتفریق آں ازیں	ا	لر	مر	ح	مج
بھر غرہ ۸۰ھ	ی	لك	لط	کـ	
+۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین	ط	نا	کا	نت	لب
طولین	ح	مر	مط		
+ تعدیل الایام	ح	یج	ا	مص	و
				نه	نه
+ تعدیل المرکز	ح	یج	ب	کـ	ا
	ح	لہ	یج	مط	
+ اوج	ط	ا	لج	رج	حز
	ب	کـ	لب	یج	لب
تقویم	یا	کـ	لہ	یج	مص
	ھ				

ج	اوج				
یا	ح	مط	یج		س
ح	لط		یج		مر
یا	یا	لط	ا	ح	مط
ح	یا	لبر	لہ		ح
ب	یج	یج	لب		لط
			مہ		یج
ب	یج	لط	مط		نب

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱
ارشاد الساری " " " " " دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

اور زیج[۱] اجد بہادرخانی ، دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظمہ دہم ذی الحجہ ۱۲۶۰ھ ہجریہ مطابق بازدہم[۲] ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی ، دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے ، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے ، بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصًا مکہ معظمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے ، نہ رات کو برف نہ دن کو لُو ، نہ برسات کی مکھیاں ، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں

---

[۱] ۱۲۵۱ ــ ۱۰ = ۱۲۴۱ ام ۱۲ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

	وسط	اوج
بازائے ۱۲۰۰	ج وسط	ج اوج
۶۰	ح و م لو لط	با لط مہ ی ط
	ب لو حز یا مط	نط . مہ ل
بازاء ۱۱ سال متصاعدًا	۵ لح ل سر ح	یا ک لز نب لط
بتفریق آن ازیں بہرغرہ	و ما نب لج ب	ح ی مد ح لو
سنہ ۱۰	[illegible]	نط مر بہ مط
+ ذی الحجہ	ی ک ک ر لح	ند مو
+ الیوم ناقص	ط نا لح لح	ا ما

مابین الطولین ستہ ندر

بازاء سرت ندقہ منہ	د نۃ مہ	الف لط ما سہ ید
	ب لح د	
بازاء ایں وتعدیل ایام دقیقہ مح ر	ی	ث ما لج ما سر لد
حصہ اش از وسط لو نہ لح	ما لج ما ا ا	ح الج حز ۵ سر
+ حصہ تعدیل ایام زائد	لج سو	مرکز
تعدیل المرکز	ما مح ما سر لد	لہ لج مہ
	ج نہ لب	لو مط لد
× وسط	ما مح ما سر لد	
تقویم	ما ھ لو مط لد	مط ح نہ

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

[۲] خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی ، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا ، تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی ، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی ۔ منہ قدس سرہٗ

اُن کا اصلاً نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم یوں کہ خطام ہدی وہ شئی ہے کہ اُسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے، تو قربانی کی رسّیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے، شتر نحر کیا جاتا ہے، اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں، جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جُدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹاکر ذبح کی جاتی ہیں، اُس وقت اُن کی رسّی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول بھی تو وہ بھی اتار لیتے ہیں تو وقت تقرب الی اللہ رسّی اور جھول اُن کے بدن سے جُدا ہوتی ہیں اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہیں، اور وہ نہیں، گر باوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اُس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اُس ناند اور طشت کا بھی جس میں اُسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اُس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل فرمائی کہ اُس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا،

حیث قالوا قال المھلب لیس التصدق بجلال البدن فرضا وانما صنع ذٰلک ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما لانہ اراد ان لایرجع فی شئ اھل بہ للہ ولا فی شئ اضیف الیہ[1]۔

جہاں انھوں نے فرمایا "مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے تو محض اس لئے ایسا کیا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شئی کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے۔"

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر کہ قربانی پر لبیک کہاں، اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی اُن اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقتِ نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول اور اول اَولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سَو کے سَو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدستِ انور، اور ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵
فتح الباری " " " " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقتِ نحر بُدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں۔

صحیحین میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ابن عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنتہ ینحر قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولۃ برجل وھی قائمۃ علی الثلاث[2]

مقیدہ کا معنٰی ہے کہ رسّی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے اُن پر جھولیں ڈالے اور اُنھیں حسبِ حیثیت مزین و بیش بہا کرے، اور اُس سے شعائرِ اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اُسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا، اور اُس سے باز رہنا اُسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، کما بیناہ فی فتاونا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱
صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولۃ " " ۱/ ۴۲۴
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۵۰